ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

عالمگیریت کے تناظر میں ادبی متون کا مطالعہ

The Study of Literary Texts in the Context of Globalization

محمد عمیر آصف
پی ایچ ڈی اسکالر اردو الحمد اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کیمپس
ڈاکٹر مظفر حسین
ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو الحمد اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کیمپس

Abstract: This study examines the intersection of literary theory and globalization within Urdu scholarship, arguing for a shift from close, text-by-text reading toward a "distant reading" approach that treats literature as a dataset revealing broader patterns, structures, and systemic shifts. Drawing on Abul Kalam Qasmi's expansive notion of intertextuality, the paper situates literary studies within postcolonial and postmodern frameworks, tracing how decolonization movements (1940s–1960s) politicized literary criticism around identity, gender, race, and class. It engages Edward Said's Orientalism and Jacques Derrida's deconstructive lens to interrogate the power asymmetries between "dominant" and "developing" literary economies, while Roland Barthes' "death of the author" is reconsidered as evidence of literature's inherently cross-cultural formation. The discussion extends to translation as a socio-political mediator rather than a neutral linguistic exercise, and to Jean-François Lyotard's account of knowledge becoming a commodified, computerized force of production. Nasir Abbas Nayyar's reflections on Urdu's relative resilience—sustained through local media and television—are contrasted with the erosion of smaller languages under globalization. Urdu travel narratives (safarnama), including those of Mustansar Hussain Tarar and Ibn-e-Insha, are read as sites of hybrid identity per Homi Bhabha's postcolonial theory. The paper concludes that grand narratives have not disappeared but resurfaced in new forms—nationalism, capitalism, religiosity—within Fredric Jameson's "political unconscious."

Keywords: Globalization; Urdu Literature; Postcolonialism; World Literature; Translation Studies; Intertextuality; Orientalism; Postmodernism; Travel Narrative (Safarnama); Cultural Identity

اگر ہم ادب کو عالمی سطح پر سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں روایتی طریقہ یعنی جزوی مطالعہ چھوڑنا ہوگا۔۔ جہاں ہم ایک ایک متن کو تفصیل سے پڑھتے اور اس کی تشریح کرتے ہیں اس کے بجائے بیسیوں متون کو ایک ساتھ دیکھنا ہوگا ان میں patterns یعنی نمونے، ڈھانچے، رجحانات، اور ساختی تبدیلیاں تلاش کرنا اور ادب کو ایک ڈیٹا سیٹ کی طرح دیکھیں یعنی ہم متن کو وسیع تناظر میں پڑھنے کے لیے دوسرے تخلیق کاروں اور محققین کے

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

کام اور تحقیق و تنقید کو استعمال کرتے ہوئے اور بڑے پیمانے پر ادبی نظام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔اس نقطہ نظر کی غایت یہ ہے کہ مقامی ادب قومی ہونے کی بجائے عالمی ادب ہو رہا ہے اور ادب کو صرف ایک زبان یا قوم تک مخصوص نہیں رکھا جاسکتا بلکہ اسے ایک عالمی نظام کے طور پر تجزیہ کیا جا رہا ہے ۔ ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی اپنی کتاب نظریاتی تنقید مسائل و مباحث میں لکھتے ہیں :

> بین المتونیت اتنی وسیع اور جامع اصطلاح ہے کہ اس دائرہ کار میں محض کتابی اور تحریری متن نہیں آتا بلکہ لسانی اظہار کے ساتھ ساتھ سماجی یا ثقافتی مظاہر لفظوں کی گرفت میں انے والے حقائق کے علاوہ معرض اظہار میں نہ آنے والے اظہار، ماضی کے مسلمات، ثقافتی طور پر رائج تصورات، کہاوتوں یا تلمیحوں کے نام سے متداول قصوں اور کہانیاں جیسے اظہار و بیان کے سارے اسالیب اس طریقہ کار کے ذریعے متن کے طور پر استعمال کیا جاسکتے ہیں"(۱)

ادبی مطالعہ ہمیشہ سے ثقافت اور عالمی مسائل کے ساتھ جڑا رہا ہے، لیکن عالمگیریت کو ایک اہم موضوع کے طور پر کافی دیر بعد اپنایا گیا۔جب تک اس پر توجہ دی گئی،اس وقت تک ادبی مطالعات میں "تھیوری" بہت مضبوط ہو چکی تھی اور ادب کو سمجھنے کا بنیادی ذریعہ بن گئی تھی۔اس دوران ادب کو صرف کہانی یا شاعری کے طور پر نہیں بلکہ شناخت، طاقت اور سماجی مسائل کے تناظر میں بھی دیکھا جانے لگا۔1940 سے 1960 کی دہائیوں میں جب افریقہ اور ایشیا کے کئی ممالک نے نوآبادیاتی نظام سے آزادی حاصل کی، تو نئی قومی شناخت بنانے اور مابعد نوآبادیاتی مسائل پر غور شروع ہوا۔اسی وقت مغربی ممالک میں بھی مختلف سیاسی اور سماجی تحریکیں چل رہی تھیں۔ان تمام تبدیلیوں نے ادبی مطالعات کو زیادہ شعوری اور سیاسی بنا دیا، جس کی وجہ سے عالمگیریت، ثقافت اور شناخت جیسے موضوعات کو بہتر انداز میں سمجھا جانے لگا۔ادبی مطالعات اور عالمگیریت کے ڈھانچے کے ساتھ بڑھتے ہوئے عدم اطمینان نے شرکت کی جس کا مرکز بائیں بازو کی سیاست تھی۔ بائیں بازو اور لبرل سیاسی صف بندیوں کی توجہ بتدریج طبقے سے آزادانہ سیاسی تحریکوں کے مرکز کے طور پر شناخت کی طرف منتقل ہو گئی جو سیاسی متحرک اور سماجی تحریکوں کی بنیاد ہے۔ مخصوص اصطلاحات میں صنف، جنسیت، نسل اور نسلی امتیاز کی سیاست،اور عمومی اصطلاحات میں فرق کی سیاست، کثیر الثقافتی، تکثیریت، پسماندگی اور مابعد نوآبادیات، سبھی ادبی مطالعات میں گرما گرم بحث کی گئیں۔

عالمگیریت اور ادب کے درمیان ایک ٹھوس رشتہ ہے، جو کتابی صنعت کی عالمگیریت کے ذریعے باہر سے ادب کو جوڑتا ہے۔ادبی متن جس کے اندر ثقافت اور شناخت کے نظریات بطور علمی مطالعات موجود ہوں ان کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے، فلسفیانہ مسائل کے حل کی ذمہ داری ادبی تنقید کی طرف منتقل کر دی جائے، تو اس سے نہ صرف تنقید کی سنجیدگی، بلکہ اس کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہو گا۔ادب کے شعبوں میں، یہ مابعد جدید تنقید جمالیاتی پہلوؤں کی طرف نسبتاً کم توجہ کرتی ہے تاہم، مجموعی طور پر عالمگیریت کے تناظر میں ثقافت اور ادبیات کو ضرور شامل کیا جانا چاہئے۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

سوال یہ ہے کہ عالمگیریت کے دور میں ثقافت اور شناخت کیسے بدل رہی ہیں۔ایک طرف ثقافتی عمل عالمی سطح پر ایک دوسرے سے جڑ رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہر جگہ اپنی مقامی خصوصیات بھی برقرار رہتی ہیں۔دلچسپ بات یہ ہے کہ عالمگیریت نے صرف یکسانیت پیدا نہیں کی بلکہ مقامی شناختوں کو بھی زیادہ مضبوط کیا ہے، اور یہ مقامی آوازیں اب عالمی سطح پر بھی سنی جانے لگی ہیں۔اس کے نتیجے میں ایک نئی قسم کی شناخت پیدا ہو رہی ہے جسے کاسموپولیٹن یا عالمی شناخت کہا جاتا ہے، جو سرحدوں سے آزاد ہوتی ہے اور زیادہ تر عالمی اشرافیہ سے جڑی ہوتی ہے۔دوسری طرف، عام اور حاشیے پر موجود طبقات اپنی مقامی شناخت کو بچانے یا اس کے ذریعے عالمگیریت کی مخالفت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور بعض اوقات یہ ایک متبادل عالمگیریت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

مزید یہ کہ مابعد جدیدیت اور مابعد نوآبادیاتی نظریات نے اس پوری بحث میں ایک طرح کی بے چینی اور سوال اٹھانے کا رجحان پیدا کیا ہے۔ ادبی مطالعات اس حوالے سے ایک اہم میدان بن گیا ہے جہاں ثقافت اور شناخت کے مسائل کو سمجھا جاتا ہے۔خاص طور پر ستر اور اسّی کی دہائیوں میں ادب پر مابعد جدیدیت کے اثرات ظاہر ہوئے، جو نئی میڈیا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے پھیلاؤ سے جڑے ہوئے تھے۔اس دور میں یہ احساس بڑھا کہ اعلیٰ اور عام ثقافت کے درمیان فرق کم ہوتا جا رہا ہے اور زندگی میں بکھراؤ اور غیر یقینی کیفیت پیدا ہو رہی ہے۔ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی لکھتے ہیں:

" اردو میں ا ّ فاقی تنقیدی اصولوں کی ا ّ واز سب سے نمایاں
طور پر الطاف حسین حالی نے اٹھائی "(۲)

اس حوالے سے مفکر ژاں بادرلارڈ کا خیال ہے کہ آج کی دنیا میں معلومات، علامات اور تصاویر اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ حقیقت اور اس کی اصل پہچان دھندلی ہو گئی ہے۔لوگ اب ایک ایسی دنیا میں رہ رہے ہیں جہاں حقیقت کے بجائے اس کی نمائندگی (signs اور images) زیادہ اہم ہو گئی ہے۔یوں مابعد جدید دور میں پوری دنیا ایک بڑی ثقافتی اور صارفی (consumer) نظام کا حصہ بن گئی ہے، جہاں ہر چیز کو ثقافتی نظر سے دیکھا اور پیش کیا جاتا ہے۔

عالمگیریت کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے مابعد جدیدیت اور مابعد نوآبادیاتی نظریات سے سیکھنا ضروری ہے۔یہ دونوں اصطلاحات ادب سے جڑی ہوئی ہیں، لیکن ان کے ذریعے ہم دنیا، ثقافت اور طاقت کے نظام کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔مابعد جدیدیت کے مطابق جدیدیت دراصل دنیا کو ایک بنانے کی کوشش نہیں تھی بلکہ مغرب کی طرف سے اپنی طاقت اور نظام کو پوری دنیا پر مسلط کرنے کی کوشش تھی۔اسی لیے جدیدیت کو ایک مغربی منصوبہ سمجھا جاتا ہے، جو اپنی اقدار کو عالمی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔لیکن اب حالات بدل رہے ہیں، مغرب کے علاوہ بھی مختلف آوازیں سامنے آ رہی ہیں، اس لیے یہ خیال کمزور پڑ رہا ہے کہ دنیا کو ایک ہی مرکز سے سمجھا جا سکتا ہے۔

ادبی مطالعات میں مابعد نوآبادیات ایک اہم نظریہ ہے، جو اس بات کو دیکھتا ہے کہ نوآبادیاتی دور کے اثرات آج بھی کیسے موجود ہیں۔اگرچہ ۱۹۸۰ کی دہائی سے مابعد نوآبادیاتی مطالعات اور عالمگیریت کے مطالعے میں کافی مماثلت پیدا ہو گئی تھی، لیکن دونوں کے درمیان مکمل ہم آہنگی بعد میں، خاص طور پر ۲۰۰۰ کے بعد، سامنے آئی۔ادبی اسکالرز نے کوشش کی کہ دونوں میدانوں کو جوڑ کر ایک مشترکہ سمجھ پیدا کی جائے، تاکہ عالمی مسائل کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھا جا سکے۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

اس تناظر میں Edward Said کا نظریہ "اورینٹلزم" بہت اہم ہے۔اس کے مطابق دنیا کو مشرق اور مغرب میں تقسیم کرنا صرف جغرافیائی نہیں بلکہ ایک طاقت کا نظام ہے، جس کے ذریعے مغرب نے مشرق کو سمجھنے، بیان کرنے اور کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ یہ عمل ادب، تاریخ، علم اور ثقافت کے ذریعے جاری رہا۔اس نظریے میں Jacques Derrida کے خیالات کی جھلک بھی ملتی ہے، خاص طور پر اس بات میں کہ ہر چیز کو دراڑوں، تضادات اور مختلف زاویوں سے دیکھنا چاہیے۔

مجموعی طور پر، یہ متن بتاتا ہے کہ ادبی مطالعات، مابعد نوآبادیاتی نظریہ اور عالمگیریت ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، اور ان کے ذریعے ہم دنیا میں طاقت، شناخت اور تاریخ کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

یہ سفر نامہ نگار کی ذہنی استعداد پر مبنی ہے کہ وہ متن کی ابتدا کہاں اور کیسے کرتا ہے اس کے بارے میں نہ تو کوئی اصول متعین ہے اور نہ ہی مخصوص ثقافتی اثرات جو کہ متن کی تیاری اور استقبالیہ میں شامل ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنے مشاہدات رقم کرتا ہے۔ محقق کے لیے اس میں جو چیز ابھرتی ہوئی نظر آتی ہے وہ ادبی مطالعات کے تنقیدی عمل کا ایک نظریہ ہے جسے لسانی یا قومی اصولوں کے ذریعے نہیں بلکہ ادب کے ایک وسیع میدان کے لحاظ سے بیان کیا جاتا ہے جو کم از کم تصوراتی طور پر سب پر مشتمل ہے۔اس نوعیت کے تحقیقی عمل کا مقصد سفر نامے کے ہر اس پہلو کو شامل کرنا نہیں ہے، بلکہ ادب اور ادبی تنقید کا نظریہ کے ساتھ اس طرح جڑنا ہے کہ لسانی اور قومی روایات کی قدریں مجروح ہوں اور دنیا میں ادب کے وسیع میدان کے افق سامنے ہوں۔ درحقیقت یہ دنیا میں ادب کے اس شعبے کے عمل کو سمجھنے کا معاملہ ہے تاکہ زبان وادب الگ الگ سمتوں سے عالمگیریت کا مقابلہ کریں، بجائے اس کے کہ صرف لسانی اور ادبی علوم کی ترقی کے امکانات انگریزی تک ہی محدود رہیں اس کا فائدہ اردو کو بھی ہو۔ جہاں تک انگریزی علوم اور انگریزی زبان کے عالمی پھیلاؤ کا معاملہ ہے اس کے پیچھے نوآبادیاتی عوامل کارفرما ہیں۔

اردو ادب کو عالمی ادب سے تقابلی مطالعہ اس قابل بنائے گا کہ اس میں گفت وشنید کرنے اور اس کے اندر موجود حدود کو تصور کرنے کے ایک سیال اور متحرک انداز کے ساتھ، اسے ادبی تنقیدی مشغولیت میں لایا جائے اور اسے مستقل طور پر برقرار رکھا جائے۔ تحقیق میں ادب اور ادبیء علوم کی عالمگیریت ان سمتوں کے ساتھ کہیں کہیں موجود ہو گی۔ دونوں سمتوں سے تصورات کو یکجا کرنے کی گنجائش کافی ہے۔ ان دونوں امکانات میں بلاشبہ واحد سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ترجمہ جو کردار ادا کرے گا، وہ نہ صرف شفافیت کے ساتھ بین المذاہب کے اندر بلکہ متن کی دنیا کے مختلف حصوں میں متن کی ترسیل میں بھی شفافیت سے کام لے گا۔ ترجمہ صرف متن کو منتقل کرنے اور زبانوں میں بات چیت کرنے سے نہیں ہے، بلکہ سماجی، سیاسی اور اقتصادی وجود کا ایک جزو ہے۔ ترجمہ محض دوبارہ لکھنے کی عملی سرگرمی نہیں ہے، بلکہ وہ ہے جو مختلف زبانوں کے درمیان تعلقات میں ثالثی کرتا ہے اور ان زبانوں کے حلقوں کے درمیان سماجی اور سیاسی تعلقات کو متاثر کرتا ہے۔ تقابلی ادب کے ادارہ جاتی عمل نے، خاص طور پر یورپی اور امریکی ماڈلز میں، مختلف قومی روایات کے ادبی کاموں کا ان کی اصلی زبانوں میں موازنہ کرنے کے عملیت کے ساتھ کام کیا ہے۔ تقابلی تجزیہ میں پیش منظر کے ترجمہ کو ایک بنیادی عنصر کے طور پر کرنے کی کوشش اکثر شکوک وشبہات کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، تقابلی لٹریچر کرنے کا مطلب ہے ترجمہ کے فائدے کے بغیر مختلف زبانوں میں لکھے گئے کاموں کا مطالعہ کرنا۔ اس کا مطلب ہے ترجمہ کرنے کے لیے نہ پڑھنا، ترجمہ کرنے کے قابل ہونے کی دعویدار طاقت پر۔ اس لیے جس چیز کو ہم موازنہ کرنے والے کی مخصوص قابلیت کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ مختلف زبانوں کے الفاظ کے ذریعے فوری

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

تعلق والی چیزوں کو پیش کرنے کی اس کی صلاحیت ہے۔

پاکستان میں ادبی اداروں کے تحت بھی عالمگیریت کے دباؤ کے ساتھ ادبی مطالعہ اہمیت حاصل کر رہا ہے کئی طریقوں سے ترجمے پر گفت وشنید اور بحث کی جارہی ہے، خاص طور پر ادبی مطالعات کے دائرے میں، ترجمہ کے سیاق وسباق کو زبانوں کے درمیان ابلاغ کے سادہ تصور سے آگے اسے علمی وظیفے کی کافی پیداوار کا باعث بنایا جارہا ہے، اس پر خاصی توجہ حاصل ہوئی ہے جہاں تک ترجمہ اور عالمگیریت کے درمیان تعلق کا تعلق ہے، اس بات کو مختلف طریقوں سے تسلیم کیا گیا ہے کہ اس میں قریبی پیچیدگی ہے۔

نوآبادیاتی مابعد نوآبادیاتی محور اور شناختی سیاست کے بعد عالمگیریت کے تناظر میں جو ادبی علوم کے درمیان غیر مساوی سیاسی اور اقتصادی تعلقات کو ظاہر کرتا ہے جسے وہ "حاکمیت والے ممالک" (جیسے امریکہ اور برطانیہ) اور 'ترقی پذیر ممالک' (مثلاً امریکہ اور برطانیہ) اور 'ترقی پذیر ممالک' (ایشیائی، جنوبی افریقہ) کو منفرد سمجھتا ہے۔ وہ عدم توازن جو صدیوں سے بین الاقوامی معاملات کو ترتیب دے رہے ہیں'، اس کے خیال میں اس مطالعے سے ایک مخالف تسلط اور عالمگیریت کی سمت بھی کھلتی ہے، اور اس انداز کی طرف توجہ موڑتی ہے جس میں مقامی روایات اور تجدید شناخت کی کوشش کی جاتی ہے۔

عالمگیریت کی یہ تفہیم، جو کہ ادبی مطالعات کے سیاسی زور کے تنظیمی اصول کے طور پر مرکزی نوآبادیات کے لیے کام کرتی ہے، ان مفہوم سے بالکل مطابقت نہیں رکھتی جو اس اصطلاح نے حاصل کی ہیں۔ دہرانے کے لیے، باب 1 میں اور اس مطالعہ میں عام طور پر، میں نے تجویز کیا ہے کہ عالمگیریت نے اپنے اندر اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کی دونوں حرکتیں، حامی اور مخالف دونوں طرح کی، مربوط اور ٹوٹ پھوٹ کے امکانات دونوں حاصل کیے ہیں۔ اس وسیع تر معنوں میں، اور اس بالادستی کو کھوئے بغیر جو کہ مروجہ عالمی جغرافیائی سیاسی انتظامات میں ظاہر ہوتا ہے، عالمگیریت کے بارے میں یہ مشاہدہ اہم ہے کہ عالمگیریت کا کوئی واحد ماڈل ایسا نہیں ہے جسے ہر ایک ملک کی معلومات اور معیشت کے مختلف عناصر کے ذریعے اختیار کیا گیا ہو۔ ادبی مطالعات بہت حد تک لسانی نظریات اور ساختی اصولوں پر مبنی ہے۔ اگر مذکورہ ادبی علوم کے لیے جس قسم کے امکانات کا تصور کیا گیا ہے ان کا ادراک ہونا شروع ہو جائے تو یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ تنقید میں جدید مباحث تصوراتی طور پر جاری رہے گا یا جاری رہے گا۔ یعنی جیسے جیسے ادبی علوم میں عالمگیریت اور عالمگیریت اور ادب کے درمیان رشتہ قریب تر ہوتا جارہا ہے۔

۱۹۶۸ء میں Roland Barthes کے نظریہ "مصنف کی موت" مشہور ہوا جو مابعد جدیدیت کا اندیشہ تھا۔ جس کے مطابق متن کا مطلب صرف مصنف کی نیت سے طے نہیں ہوتا بلکہ قاری بھی اس میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اگرچہ یہ نظریہ بہت اہم رہا ہے، لیکن آج بھی مصنف کی حیثیت مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی، بلکہ وہ مختلف صورتوں میں ادبی مطالعے کا حصہ بنی رہتی ہے۔ اگرچہ رولاں بارتھ نے 'مصنف کی موت' کو ایک اعلان کے طور پر تیار کیا جو، لیکن لکھنے اور پڑھنے کا خیال جو اس نے پیش کیا تھا اس کے بجائے ہر زمانے اور ہر جگہ کے تمام متن میں مضمر سمجھا جاسکتا ہے خود متن کی فطرت میں مضمر۔ رولاں بارتھ نے بیسویں صدی کے آخر اور اکیسویں صدی کے اوائل میں غور کیا جو ادب اور عالمگیریت کے اس مطالعے میں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔، کیونکہ کوئی بھی متن صرف ایک جگہ یا ایک ثقافت سے نہیں بنتا بلکہ مختلف ثقافتی اثرات سے تشکیل پاتا ہے۔ اسی لیے ادبی مطالعات اب صرف قومی یا لسانی حدود تک محدود نہیں رہے بلکہ دنیا کے ادب کو ایک وسیع میدان

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

کے طور پر دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس کا مقصد یہ نہیں کہ ہر چیز کو شامل کر لیا جائے، بلکہ یہ ہے کہ ادب کو اس طرح سمجھا جائے کہ قومی اور لسانی سرحدیں کم اہم ہو جائیں اور عالمی ادب کی بڑی تصویر سامنے آئے۔ یہ تنقیدی اشارہ ایک قسم کی ادبی خود آگاہی ہے جو عالمگیریت کے ہزار سالہ تناظر میں ہے۔ادبی متن کے اندر ادبی تصنیف کی خاکہ نگاری میں، فکشن کے اندر افسانہ نگاروں کی تصویر کشی میں سب سے زیادہ قوی طور پر ظاہر ہوتا ہے۔

عالمگیریت ادب کو ان لوگوں کے لیے بھی پر کشش بناتی ہے جو خود مقامی بولنے والے نہیں ہوتے ہوئے، زبان پڑھنے والوں میں سامعین کی تلاش کرتے ہیں۔ بیسویں صدی کے وسط کے بعد سے، عملی طور پر، زیادہ مصنفین، خاص طور پر علمی اور پیشہ ورانہ کتابوں کے، انگریزی میں لکھتے ہیں، چاہے وہ دنیا میں کہیں بھی ہوں، یا وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں کونسی زبان استعمال کرتے ہوں۔

برطانوی اور امریکی کمپنیاں واحد پبلشرز نہیں ہیں جو انگریزی کے غلبے سے مستفید ہوتی ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان میں انگریزی کتابوں کی اشاعت میں ایک اہم تجارت ہے، مثال کے طور پر، جہاں یہ ایک درجن سے زیادہ اشاعتی زبانوں میں سب سے بڑی ہے، اور انگریزی بولنے والے تمام بڑے ممالک جیسے آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور کینیڈا میں اشاعتی صنعتیں ہیں۔

مابعد جدیدیت اور مابعد نوآبادیات کے ادبی نقطہ ہائے نظر کا عالمگیریت اور ثقافت کے مباحثوں کی نشوونما میں گہرا حصہ رہا ہے، ثقافت پر غور و فکر کرنے میں عالمگیریت کے مطالعے کے ساتھ ادبی مطالعات کی پیچیدگی کا اظہار شناخت کے تصورات کے حوالے سے بھی کیا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ ادبی علوم میں تھیوری کے سفر کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ادبی مطالعات میں تھیوری کی آمد بین الاقوامی اہمیت کے کئی سماجی و سیاسی واقعات کے ساتھ موافق ہے۔

کسی بھی تہذیبی و ثقافتی بیانیے کی تعمیر عالمی اور تاریخی تناظر کے اندر ہوتی ہے جس میں وسیع پیمانے پر دوسری تہذیبوں سے تعلقات جیسے کہ مغرب اور مشرق/شمالی اور جنوبی، پہلی دنیا اور تیسری دنیا، نوآبادیاتی اور مابعد نوآبادیاتی عہد کے ساتھ ہم آہنگی جیسے معاملات کو سمجھا جاتا ہے۔ جدید سرمایہ دارانہ یا صارفی معاشرے کے تصورات تاریخ کے غیر منقطع اور ٹوٹے ہوئے تسلسل کے پیچھے چھپے ہوئے سمجھے جا سکتے ہیں۔ اردو سفر نامہ نگاروں نے استحصال کی ایک توسیعی تاریخ کے ذریعے مشرقی اور مشرقیت کی تعمیر کا جائزہ لیا، انھوں نے علم کے مختلف شعبوں میں اس تعمیر کی حکمت عملیوں کی جامعیت پر روشنی ڈالی، اور اس نے تاریخی ماضی سے حال تک تسلسل کی ایک لکیر کھینچی۔

عالمگیریت کا بنیادی محرک اور مقصد تجارتی مفادات تھے۔اس کو پھیلانے میں ذرائع ابلاغ کا اہم حصہ ہے اور ذرائع ابلاغ کی وجہ سے ادیب جو معاشرے کا حساس فرد ہے، ان عالمی مسائل سے آگاہ ہوا جو بعد میں عالمی ادبی تحریکیں بن کر ابھریں۔ اس طرح مختلف براعظموں کی تحریروں کی خوشبو ایک دوسرے تک پہنچی۔ موجود و عصری صورت حال کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب میں اپنی پہچان اور شناخت سے دور ہوتی جا رہی ہیں۔ نت نئی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ مبین مرزا کہتے ہیں:

> "آج ہم سب گلوبل ویلیج میں زندہ ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، یا ایک ایسی دنیا ہے جہاں تہذیبیں اپنی شناخت کھو رہی ہیں اور ثقافتوں امتیازی نشانات مٹتے چلے جا رہے ہیں۔ کوکا کولا، برگر، فیس بک اور دور چوٹل ریلٹی کی یہ وہ دنیا ہے جس میں انسانوں کی زندگی روبوٹ جیسی ہوتی جا رہی ہے۔ مخصوص ضرور

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

تھیں اور مخصوص جستجو دراصل مخصوص ڈیٹا بیس اور مخصوص کمانڈ کے ذریعے انسانی زندگی کے دائرے کا
تعین کر رہی ہیں۔انسانی زندگی میں کام اور تفریح کا تناسب بالکل الٹ گیا ہے۔"(۳)

اپنے سفر ناموں میں عالمی میڈیا اور سماجی سائنس کی نمائندگی کی ایک ریخ میں مقبول تحاریر کے ذریعے ظاہر کی۔اسلام پر پیشہ ورانہ علمی تحقیق کے ذریعے اور ینٹل ازم کے ساتھ ایک خاص علمی طاقت کے انتظام کے طور پر ہر دوسرے قسم کے علم کے درمیان ایک تاریخی طاقت کو بیان کیا جاتا ہے۔اردو سفر نامہ نگاروں نے عصری دنیا کی اس نوآبادیاتی اور مابعد نوآبادیاتی تقسیم کو ایک تاریخی عمل کے طور پر ایک جمع کے طور پر مرکوز کیا، ظاہری طور پر سفر ناموں کے مشاہدات اور لوگوں کی گفتگو وہاں کی سیاست کو سمجھنے کے لیے ایک حوالہ فراہم کرتی ہے۔تاہم اصطلاح 'عالمگیریت' سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پس منظری مباحث پر زور دے گا۔اس کا واضح اثر ایشیا، افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا اور یورپ کے اندر سلطنت سازی کی تاریخ اور اس عالمی تاریخ کے مسلسل اثرات پر ہے۔

یہ سفر نامہ مختلف فرقہ وارانہ شعبوں، متعدد علاقائی اور نسلی اور ذات پات اور طبقاتی حدود کو مشاہدہ کرنے کا انتظام کرتا ہے، اور پاکستان کے سماج کی لسانی تنوع میں سے فخر پیدا کرنے کے قابل بناتا ہے-یہ سب کچھ بدلتی ہوئی دنیا اور پاکستان میں پروان چڑھنے والے حقیقت پسندانہ دعووں کی عکاسی کرتا ہے۔ تیسرا سفر نامہ شناخت کے انتساب اور مقامات کی جھلکتی ہوئی فطرت کے ساتھ کھل کر کھیلتا ہے، اور اسے ہومی بھابھا کی مابعد نوآبادیاتی ہائبرڈٹی میں غیر مستحکم امکانات کی ایک پر وقار افسانوی قانون کے طور پر شمار کیا جا سکتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے ہوں یا ابن انشا کے حقیقت کے بیان میں کلیدی قدر کچھ بھی ہو قاری کے ذہن میں جو الجھن پیدا ہوتی ہے وہ صرف نسلی اور ثقافتی ہائبرڈٹی کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ سفر نامہ نگار نے اس کے بارے میں سن کر فوراً مشاہدہ کیا، سفر نامہ کے بیانیے کی شناخت مشاہدوں پر مبنی مفروضے ہیں۔

عالمگیریت کے مطالعے کی اس بحث میں ایک اور پہلو بھی ہے جسے درج کرنے کی ضرورت ہے جہاں ایک قسم کی خود اضطراری سیاسی معیشت کا اظہار ہوتا ہے وہیں لسانی میدان کے مختلف حاشیہ پر ہونے والی بحثوں کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ادبی تنقید کو سماجیات پر مبنی عالمگیریت کا مطالعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

"گلوبلائزیشن" وہ اصطلاح ہے جس میں بین الاقوامی منڈیوں، سرمایہ کاری اور بین الاقوامی ضابطے، بین الاقوامی سطح پر سماجی اور ثقافتی اور نظریاتی انضمام اور انضمام کے عمل کو مرتب اور رجسٹرڈ کیا جاتا۔ گلوبلائزیشن اسٹڈیز کا اصل زور معاصر سماجی، سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی ماڈلز کے لحاظ سے ان پیش رفتوں کو رجسٹر کرنے پر ہے جو ماضی قریب میں رونما ہو رہی ہیں۔ محل وقوع کی سیاست کے بارے میں ایک محتاط سوال جاری کرتی ہے: یعنی مغرب/شمال اور مشرق/جنوب کے اندر، ہجرت کے نقطہ نظر یا اندرونی تناظر، ایک ادارہ کے اندر ایک ایسی بحث کا آغاز ہوتا ہے جو محل وقوع کی سیاسی معیشت اور واقع دانشورانہ مفادات سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔

عالمگیریت کا مؤثر طریقے سے مطلب یہ ہے کہ معاشروں کو اب بڑے جامع عالمی معاشرے کے ذیلی نظام کے طور دیکھا جا رہا ہے۔اس میں گلوبلائزیشن بطور تصور دنیا کے کمپریشن اور ایکسپنڈیشن کی شدت دونوں سے مراد ہے۔پوری دنیا کا شعور ہے

عالمگیریت کے متعدد پہلوؤں کو 'ایک عمل' کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی (یا عمل کا مجموعہ) جو ان کے مقامی میں تبدیلی کو مجسم بناتا ہے۔سماجی تعلقات اور لین دین کی تنظیم ان کے لحاظ سے اندازہ کیا جاتا ہے۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

عالمگیریت مغرب کے تنقیدی تناظر میں

عالمگیریت(Globalization)آج کے دور کی سب سے اہم اور سب سے پیچیدہ اصطلاح ہے۔ یہ محض ایک لفظ نہیں بلکہ ایک ایسی صورت حال کا نام ہے جس میں پوری دنیا سمٹ کر ایک گاؤں بن گئی ہے اور مختلف تہذیبیں، معاشرے، زبانیں اور ثقافتیں ایک دوسرے سے اس طرح جڑ گئی ہیں کہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھیں۔ عالمگیریت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان تمام تبدیلیوں کا احاطہ کریں جو گزشتہ چند دہائیوں میں انسانی زندگی، علم، ثقافت، ادب اور معاشرت میں آئی ہیں۔

نئے کاروباری طور طریقوں نے صارفیت(Consumerism)کے ایسے راستوں کو پیدا کیا جن کا تصور بھی احاطۂ ادراک میں نہ لایا جا سکتا تھا۔ ان سے شعور انسانی ایک مفروضہ بن گیا ہے جسے بوجوہ تنگ مان لیا گیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ سائنسی ترقی سے انسان کی حقیقی مسرت کا خواب پورا نہیں ہوا، بلکہ برقیاتی اور تکنیکی انقلابات سے معاشرہ دیکھتے ہی دیکھتے میڈیا سوسائٹی یا نمائشی سوسائٹی(Spectacle Society)میں بدل گیا۔ اس طرح کی صورتِ حال نے علم کی ضرورت، نوعیت اور اہمیت کو تبدیل کر دیا اور علم کی بازیافت اور ذخیرہ اندوزی کے باب میں نئے مسئلے پیدا کر دیے۔ ان جملہ تبدیلیوں اور ان کے تمام پہلوؤں کا اگر کوئی ایک لفظ احاطہ کر سکتا ہے تو وہ عالمگیریت ہے۔

عالمگیریت کو صرف اقتصادی زاویے سے دیکھنا کافی نہیں۔ یہ ایک ایسا بہت بڑا انقلاب ہے جس نے علم، ثقافت، زبان، ادب، سیاست، اخلاقیات اور انسانی شناخت کے تمام پہلوؤں کو متاثر کیا ہے۔ جہاں تک عالمگیریت بطور اصطلاح کے آغاز کا تعلق ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں۔ مختلف مفکرین نے مختلف ادوار میں ایسی کیفیت کی طرف اشارہ کیا جب انسانی تہذیبیں ایک دوسرے سے قریب آتی رہی ہیں۔ تاریخی طور پر یہ عمل اٹھارویں صدی کے آخر سے شروع ہوتا ہے لیکن بیسویں صدی کے وسط کے بعد اس نے اس قدر تیزی اختیار کی کہ اسے ایک نئے دور کا آغاز قرار دیا جانے لگا۔

انقلاب اس نوعیت کا ہے کہ آج پوری دنیا میڈیا سوسائٹی میں بدل گئی ہے۔ دور دراز کے معاشرے جہاں پہلے خبریں دیر میں پہنچا کرتی تھیں یا جو معاشرے محفوظ سمجھے جاتے تھے، اب وہ کسی بھی انقلاب کی زد میں آ چکے ہیں۔ لیوتار نے اپنی کتاب The Postmodern Condition میں ان تمام تبدیلیوں اور ان کے اثرات سے بحث کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ سب سے بڑی تبدیلی علم کی نوعیت میں آئی ہے۔ کمپیوٹرائزڈ معاشرے میں علم (Knowledge)کی نوعیت یکسر بدل گئی ہے۔

پہلی بات یہ کہ پچھلے چالیس پچاس برسوں میں سائنس اور ٹکنالوجی میں سب سے زیادہ عمل دخل زبان اور زبان کے نظریوں کا رہا ہے۔ کمپیوٹر برقیاتی ذہن کے لیے زبان مرتب کرتا ہے، اس زبان کے ذریعے معلومات کو جمع کرنے اور بازیافت کا طریقہ، مختلف کاموں کے لیے الگ الگ پروگرام وضع کرنا اور ان کی صنعتی پیداوار، مشینی زبان اور مشینی ترجمہ، معلومات کی ذخیرہ اندوزی اور برقیاتی معلوماتی بنکوں کا قیام؛ ان تمام سرگرمیوں میں زبان کا کردار مرکزی ہے۔

دوسری بات یہ کہ برقیاتی ٹکنالوجی کے اس انقلاب سے علم کی نوعیت میں جو تبدیلی آئی ہے، اس سے علم اب اپنا جواز آپ نہیں رہا، بلکہ علم پوری طرح کمرشل قوتوں کے زیرِ سایہ آ گیا ہے۔ علم اب شخصیت کا جزو نہیں بلکہ منڈی کا مال ہے جسے فروخت کیا اور خریدا جا سکتا ہے۔ پہلے علم کو حاصل کرنے کے لیے زندگیاں کھپائی جاتی تھیں۔ اب علم منڈی کے مال کی طرح Mass Scale پر پیدا ہو رہا ہے اور صابون اور ٹوتھ پیسٹ کی طرح بازار میں موجود

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

ہے۔جب چاہیں اسے خرید سکتے ہیں۔علم اب حاکم نہیں محکوم ہے۔علم کی تصغیریت(Miniaturisation)کے بعد اس کا کمرشل استعمال روزمرہ زندگی کا معمول بن گیا ہے۔

تیسری بات یہ کہ جیسے جیسے معاشرے عالمگیریت کے دور میں داخل ہوتے جائیں گے، علم کا وہ حصہ جو برقیاتی ذہن کو ہضم نہیں کرایا جاسکے گا یا جس کی برقیاتی تحلیل نہ ہو سکے گی وہ پیچھے رہ جائے گا اور ماضی کی یاد بن کر دھرا رہ جائے گا۔علم جو پہلے ذہن انسانی کو ہلا دینے یا شخصیت کو سنوارنے کے لیے حاصل کیا جاتا تھا،اب فقط اس لیے پیدا کیا جائے گا کہ منڈی کی معیشت میں اس سے منافع اندوزی کی جاسکے یا اسے طاقت کے ہتھیار کے طور پر برتا جا سکے۔

علم بطور پیداواری طاقت:

پچھلی کچھ دہائیوں سے کمپیوٹر زائیدہ علم ایک پیداواری طاقت(Force of Production)کی حیثیت اختیار کرنے لگا ہے۔اس کا ایک واضح اثر کام کرنے والے طبقے پر پڑ رہا ہے۔ترقی یافتہ ملکوں میں محنتی اور کارکنانہ مزدوروں کی تعداد کم ہونے لگی ہے اور سفید پوش کارکنوں اور تکنیکی کارکنوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔لیوتار کا کہنا ہے کہ آئندہ بین الاقوامی طاقت کے کھیل میں کمپیوٹر زائیدہ علم کا بڑا حصہ ہوگا اور ممکن ہے کہ قوموں اور ملکوں کی آئندہ رقابتیں اور دشمنیاں برقیاتی علم کے سرچشموں پر قادر ہونے کے لیے ہوں۔یعنی علم گیری، ملک گیری کی طرح عالمی سطح پر ہوسِ اقتدار کا درجہ اختیار کر لے گی۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیئر اپنی کتاب "عالمگیریت اور اردو اور دیگر مضامین" میں لکھتے ہیں:

> " اب علم کے ذریعے سرمائے کی تخلیق میں کوئی حرج نہیں ہر جگہ ہے تو اس سرمائے اور اس کی پیدائش پر کچھ کمپنیوں طبقوں اور ملکوں کی اجارے سے ہے اس اجارے کی وجہ سے انسانی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ غربت کی زندگی بسر کرتا ہے۔یہ طبقہ علم کی برکات سے یا تو محروم رہتا ہے یا ان سے ادنی سطح پر فیض یاب ہو پاتا ہے دوسری طرف یہ بھی سچ ہے کہ عالمگیریت کی برکات سے درمیانے درمیانے طبقے کا حجم بڑھا ہے اور اس کی معاشی صورتحال بہتر ہوئی ہے"(۴)

ترقی کا مدار چونکہ ٹکنالوجی پر ہوگا اس لیے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر معاشروں کے درمیان فاصلہ کم ہونے کا نہیں بلکہ اور بڑھے گا۔زیادہ اہم یہ ہے کہ طاقت اور علم ایک ہی سکے کے دو رخ ہوں گے۔لیوتار ویٹگنسٹائن کی لسانی چالوں(Linguistic Games)کے حوالے سے کہتا ہے کہ علم کی ہر چال طاقت کی ایک جلوہ گری ہوگی۔ویسے دیکھا جائے تو ہم پہلے ہی عام گفتگو میں جنگ کی اصطلاحوں کا استعمال کرتے ہیں۔آئندہ لڑائیاں کمپیوٹر زبان کی چالوں سے لڑی جائیں گی اور کسی منزل پر کون سی چال کارگر ہوگی،اس کا فیصلہ ذہنِ انسانی نہیں، کمپیوٹر کرے گا۔

عالمگیریت کے اس تناظر میں معاشی عدم مساوات ایک نئی شکل اختیار کر رہی ہے۔جو قومیں اور ممالک علم کی اس نئی اقتصاد میں حصہ دار ہیں وہ آگے بڑھتی ہیں اور جو اس سے محروم رہتی ہیں وہ پیچھے رہ جاتی ہیں۔یہ ایک نئی نوع کی عالمگیریت ہے جسے "ڈیجیٹل عالمگیریت" یا "معلوماتی عالمگیریت" بھی کہا جاسکتا ہے۔عالمگیریت کے دور میں عام ثقافتی و سماجی بیانیہ ایک نئے خطرے سے دوچار ہے۔جیسے جیسے دنیا ایک مرکز سے چلنے والے میڈیا، ٹیکنالوجی

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

اور سرمایہ داری کے جال میں گھرتی جارہی ہے، مقامی بیانیے، مقامی ثقافتیں اور مقامی زبانیں کمزور ہو رہی ہیں۔اس سلسلے میں ڈاکٹر ناصر عباس نیئر لکھتے ہیں:

> "اردو کو خاتمے کا اس طور سے خدشہ لاحق نہیں ہے جس طور پر افریقہ کی بعض زبانوں کو ہے اردو مقامی میڈیا کی زبان ہے اور کسی حد تک انٹرنیٹ پر بھی استعمال ہوتی ہے۔عالمگیریت کی دنیا میں اردو کی سب سے بڑی منڈی اگر کوئی ہے تو وہ خبروں اور تفریح کے درجنوں مقامی ٹی وی چینل ہیں۔تاہم اردو کے اس عالمی معاشرے میں کچھ چیلنجز ضرور درپیش ہیں"(۵)

سائنسی روایت، بیانیہ پر ہمیشہ معترض رہتی ہے، وہ بیانیہ کو نیم وحشی، نیم مہذب، قدامت پسند، پس ماندہ، توہم پرست اور جہالت شکار کہہ کر اس پر طنز کرتی ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ خود سائنسی روایت کو اپنے استدلال کی توفیق کے لیے بیانیہ کے وجود کی ضرورت ہے۔کیا سچ ہے اور کیا غلط ہے، اس کی تصدیق کے لیے بیانیہ کا تناظر اور حوالہ ضروری ہے۔یوں گویا سائنسی علم میں بیانیہ کا وجود خود بخود شامل ہو جاتا ہے۔عالمی فکری روایتوں کو لیوتار "Meta-Narrative"یعنی "مہابیانیہ" کہتا ہے۔

عملاً سائنسی تکنیکی ترقی اور جدید کاری کے ساتھ دنیا کا جو نقشہ ابھرا ہے وہ اس کا الٹ ہے جو سوچا گیا تھا۔بظاہر آسائشوں اور ساز و سامان سے بھرپور زندگی اندر سے کھوکھلی اور بے سمت ہو چکی ہے۔فوری نفع، کامیابی، منافع خوری، اقتدار کی ہوس، حاوی محرکات ہیں۔خوشی اور مسرت منڈی کا مال بن گئی ہیں اور ہر شے کمرشل رنگ میں رنگ کر اپنی اصلیت سے محروم ہو گئی ہے۔قومی سطح پر جب بھی کوئی ایسی چیز جو ہمارے وجود کا حصہ ہو پس پشت جاتی ہے تو وہ آہستہ آہستہ اجتماعی لاشعور کا حصہ بن جاتی ہے اور فکر و عمل کو برابر متاثر کرتی رہتی ہے۔فریڈرک جیمیسن اسے سیاسی لاشعور کا نام دیتا ہے۔عالمگیریت کے دور میں بھی یہی ہوا ہے۔جن بڑے سیاسی اور فکری بیانیوں کے بارے میں کہا جارہا تھا کہ وہ ختم ہو گئے، وہ دراصل ختم نہیں ہوئے بلکہ ان کی شکلیں بدل گئیں۔سرمایہ داری، قوم پرستی، مذہبیت، ثقافتی شناخت کے مسائل؛ یہ سب مہابیانیے عالمگیریت کے دور میں نئے روپ دھار کر سامنے آرہے ہیں۔

عالمگیریت کے دور میں اردو زبان وادب کا مستقبل

اردو زبان کا بحران دراصل عالمگیریت کے وسیع تر مسئلے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔اردو کی سب سے بڑی المیہ یہ ہے کہ وہ کسی ایک خطے یا صوبے کی زبان نہیں اس کی کوئی جغرافیائی سرحد نہیں، کوئی مخصوص علاقہ نہیں جہاں وہ سرکاری سطح پر بالادست ہو۔ہندوستان کی دیگر تمام زبانیں اپنے اپنے صوبوں میں اقتدار کی زبانیں ہیں، جبکہ اردو اپنی ہی سرزمین پر اجنبی بن کر رہ گئی ہے۔وہ ان سب زبانوں کے مقابلے میں دوسرے درجے کی، حاشیے پر دھکیلی ہوئی زبان بن چکی ہے۔

دوسری طرف، دنیا ایک ایسے تاریخی دور میں داخل ہو چکی ہے جہاں برقیاتی میڈیا، سیٹلائٹ، کمپیوٹر اور مصنوعی ذہانت نے پوری انسانی زندگی کا نقشہ بدل ڈالا ہے۔اردو بھی خواہ ہندوستان میں ہو یا پاکستان میں اس طوفان سے باہر نہیں۔آج فیصلے سیاسی اقتدار کے ایوانوں میں نہیں بلکہ منڈی اور تجارتی مفادات

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

کے دفتروں میں ہوتے ہیں۔ صارفیت، منافع اور مارکیٹ کی طاقت نے ثقافت، سماج اور انسانی رویوں سب کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ ایسے میں زبان اور ادب اس بدلتی ہوئی دنیا سے کنارہ کش نہیں رہ سکتے۔

تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ اردو محض مغرب کی نقل اتارے یا دوسری زبانوں کی تبدیلیوں کو اندھا دھند اپنا لے۔ اردو میں جو تبدیلیاں آئیں گی وہ اردو کی اپنی ادبی روایت، اس کے مخصوص حالات اور اس کی داخلی ضرورتوں سے پھوٹیں گی اور یہی سوچنے کا اصل مقام ہے۔ یہی صورتحال ہندوستان کی دوسری زبانوں میں بھی ہے جہاں ہر زبان اپنے اپنے تناظر میں تبدیلی کے اس عمل سے گزر رہی ہے۔ نیز اب یہ بھی حقیقت ہے کہ عالمی رابطے کے لیے انگریزی کی جو اجارہ داری تھی، وہ بھی ٹوٹ رہی ہے۔ ڈاکٹر عطش درانی لکھتے ہیں:

> "یونیسکو کی رپورٹ موجود ہے کہ "میکانکی ترجمہ ہی اب بین الاقوامی زبان ہوگا۔ گویا اگر کسی ملک کو آگے بڑھنا ہے تو اسے دارالترجمے قائم کرنے پڑیں گے۔ ترجمہ اب میکانکی ہوتا جا رہا ہے۔ مترجم کمپیوٹر سامنے آ چکے ہیں۔ اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اعلی تعلیم حاصل کرنا ہے تو ضروری ہی کسی عالمی زبان کو اختیار کریں۔ اب صرف چند افراد اور کمپیوٹر ترجمے کے لیے وقف کر دیجئے ان زبانوں کے علمی سرمایہ کا نچوڑ اپنی زبانوں میں آجائے گا۔ آپ شوق سے اسے استعمال کریں اور تخلیق کی کھیتیوں کی آبیاری کریں" (٦)

عالمگیریت کے اس پر آشوب دور میں اردو ادب کا مستقبل اندھیرا نہیں، بشرطیکہ اردو کے قلم کار دو کام بیک وقت کر سکیں اپنی تہذیبی جڑوں کو مضبوطی سے تھامے رہیں اور ساتھ ہی نئے زمانے کی نبض کو بھی پہچانیں۔ ادب کوئی ایسا میدان نہیں جہاں کسی شارٹ کٹ سے منزل مل جائے۔ ادب کی بنیادی اور پہلی شرط یہی ہے کہ وہ واقعی ادب ہو یعنی وہ تحریر جو زندگی کی تپش اور حرکت سے جڑی ہو، جس میں اپنی مٹی کی خوشبو ہو اور اپنی تہذیب کی چھاپ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے وقت کے انسان کی سوچ، اس کے خواب، اس کے درد، اس کی تڑپ اور اس کی امیدوں کی سچی ترجمانی کرے۔ لیکن محض ترجمانی کافی نہیں یہ آواز اتنی موثر اور اتنی گہری ہو کہ پڑھنے اور سننے والے کے دل کی گہرائیوں تک اتر جائے اور وہاں کوئی نہ کوئی نقش چھوڑ جائے۔

حوالہ جات

۱۔ ابوالکلام قاسمی، ڈاکٹر "نظریاتی تنقید (مسائل و مباحث)" بیکن بکس، لاہور/ملتان، ۲۰۱۵ء، ص ۲۴۸۔۲۵۱

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

۲۔ایضاً
۳۔ مبین مرزا، عالمگیریت اور ہمارا عصری وادبی تناظر "مشمولہ: روزنامہ ایکسپریس، کراچی، جون ۲۰۱۷ ء
۴۔ ناصر عباس نیئر، ڈاکٹر، عالمگیرت اور اردو اور دیگر مضامین "سنگ میل پبلیکیشنز لاہور س ن، ص ۱۳
۵۔ایضاً، ص ۱۵
۶۔ عطش درانی، ڈاکٹر، "اردو جدید تقاضے نئی جہتیں "مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۲۰۰۶ء، ص ۶۷